© rasailojaraid.com

اسلام اور بین الاقوامی تعلقات کے تصورات

مولانا مجیب اللہ ندوی

بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں اسلام نے جو اصول و تصورات دیئے ہیں ان کی تفصیل سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مختصر طریقہ پر بین الاقوامی تعلقات کے عام اصول و تصورات کے مفہوم کی وضاحت کردی جائے۔ اور اس کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے۔

بین الاقوامی اصول و تصورات کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے یا یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اصول و تصورات جو انسان کے ذہن و دماغ اور طرز عمل میں تنگ نظری کی بجائے آفاقیت پیدا کرنے والے ہوں، جو چھوٹی چھوٹی وحدتوں میں تقسیم کرنے والے جذبات کے بجائے انسان کے دل و دماغ میں پوری دنیا کے لئے انسانیت اور ہمہ گیر اجتماعیت کے لئے ہمدردی اور بہی خواہی کے جذبات ابھارتے ہوں، اس کو وطنی، قومی، نسلی اور طبقاتی بندشوں اور پستیوں سے آزاد اور بلند کرکے عام انسانی مسائل کو ایک اکائی تصور کرنے اور ان کی الجھنوں کو ختم کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے ہوں، خواہ یہ مسائل مادی و طبعی ہوں، یا طبیعاتی وارضی ہوں، پھر اسی کے ساتھ وہ کچھ ایسی اخلاقی و قانونی ضمانتیں بھی دیتے ہوں کہ اگر ان کو اپنایا جائے تو اختلافِ عقیدہ و مسلک کے باوجود ان کے ذریعہ امن عالم کا قیام اور عام انسانی حقوق کی محافظت ہوسکے۔ اور بین الاقوامی تعلقات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔

بین الاقوامیت کی تاریخ

ممکن ہے کہ موجودہ دور میں کچھ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ جس وقت نقل و حمل اور رسل و رسائل کے ذرائع و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسائل نے دنیا کو ایک گھر بنا دیا ہے۔ اسی وقت سے بین الاقوامی تصورات و تعلقات کی ابتدا ہوئی ہے، ایک دو صدی پہلے کی انسانی تاریخ اس سعادت سے محروم رہی ہے۔ اس خیال کے سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اس کی تردید دنیا کی اجتماعی اور قومی تاریخیں بھی کرتی ہیں اور مذہبی تاریخیں بھی۔

اس تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے کہ دنیا کی مذہبی، قومی اور اجتماعی تاریخ کے کس کس عہد میں بین الاقوامیت کا کتنا چرچا رہا، اور ان کی ترویج میں کن کن عوامل نے حصہ لیا۔ اس لئے کہ یہ چیز ہمارے موضوع سے تقریباً خارج ہے، جن لوگوں کو اس کی تاریخ سے دلچسپی ہو، ان کو دنیا کی مذہبی تاریخ، یونانی شہری ریاستوں کے باہمی تعلقات سلطنت روما کے بین الاقوامی قوانین، مکمل اسلامی نظام، اور مسیحی دنیا کے اتحاد و اتفاق کی تاریخ اور ولندیزی مفکر سولن کی کتاب "قانون امن و جنگ" اور ہیگ کانفرنس منعقدہ ۱۸۹۹ء و ۱۹۰۶ء کی روداد کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اس سلسلہ میں اتنی بات البتہ صحیح ہے، کہ خالص سیاسی ضرورتوں اور معاشی فائدوں کے پیش نظر موجودہ دور میں جو خود غرضانہ بین الاقوامی تصورات اور تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کی تاریخ ایک دو صدی سے آگے نہیں بڑھتی۔ خاص طور پر ۷۰۔۸۰ برس کے اندرون تصورات و تعلقات کا تذکرہ و چرچا اور زیادہ بڑھ گیا ہے چنانچہ اسی کے نتیجہ میں ۱۸۶۴ء میں مزدوروں کی بین الاقوامی تنظیم اور بعض دوسری تنظیمیں قائم ہوئیں اور اسی کے نتیجے میں پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں لیگ آف نیشن اور دوسری جنگ عظیم کے بعد ۱۹۴۵ء میں "یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن" وجود میں آیا۔ لیکن انجمن اقوام چونکہ چند قومی و معاشی اغراض و مقاصد کے ماتحت قائم ہوئی تھی۔ اس لئے وہی اغراض و مقاصد اس کی موت کا سبب بنے، انہی اغراض و مقاصد کو کچھ مزید بین الاقوامی رنگ دے کر یو۔ این۔ او وجود میں آیا ہے۔ دیکھئے وہ کب تک زندہ و سلامت رہتا ہے، ان دونوں تنظیموں کی تاریخ اور مقاصد پر ایک سرسری نظر ڈال لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی جنگ عظیم میں تقریباً دو کروڑ انسان کام آئے تھے۔ اور تقریباً دو کھرب پونڈ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگی اخراجات ہوئے تھے، اس ہولناک تباہی نے دنیا کی بڑی قوموں کے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ ان تدبیروں کے سوچنے پر مجبور ہوئے۔ جن سے آئندہ ان کو اتنی ہولناک تباہی کا سامنا نہ کرنا پڑے، چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر ۱۹۱۹ء میں پیرس میں جو صلح ہوئی اس میں امریکہ کے سابق صدر جمہوریہ امریکہ مسٹر ولسن نے صلح کے چودہ نکات پیش کئے انہی نکات کے اوپر اس انجمن اقوام کی بنیاد پڑی، جس کا مرکز جنیوا قرار پایا، اس انجمن نے بیس برس کے اندر چھوٹی مملکتوں کے بہت سے جھگڑوں کو چکایا، اور بہت سی الجھنوں کو ختم کیا، مثلاً اس نے ۱۹۲۲ء میں سویڈن اور روس کے درمیان جزائر آئرلینڈ کے نزاع کو ختم کیا، ۱۹۲۵ء میں اس نے یونان اور بلغاریہ کے درمیان جنگ کو روکا، لیکن معاملہ جب تک چھوٹی مملکتوں کے مسائل اور نزاعات کا رہا، اس وقت تک انجمن اقوام کسی حد تک کامیاب ہوئی، لیکن جب یہ نزاعات خود انجمن کے پاسبانوں میں پیدا ہوئے۔ تو وہ کچھ نہ کرسکی، چین وجاپان دونوں انجمن کے رکن تھے، مگر جب دونوں میں جنگ چھڑی اور جاپان نے منچوریا پر قبضہ کر لیا تو چین فریاد ہی کرتا رہا۔ لیکن انجمن کچھ نہ کرسکی۔ ۱۹۳۲ء میں جینوا میں تخفیف اسلحہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ۵۷ ملک کے نمائندوں نے شرکت کی لیکن بڑی مملکتوں میں سے کوئی بھی اسلحہ کو کم کرنے پر آمادہ نہیں ہوا، ۱۹۳۶ء میں اٹلی نے حبشہ پر للچائی ہوئی نگاہ ڈالی، اور اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ حبشہ انجمن سے طاقت کے استعمال کی استدعا کرتا رہا، لیکن وہ کچھ نہ کرسکی، ان واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۵ء میں جرمنی، پھر جاپان نے اپنی اپنی اغراض کے ماتحت انجمن کی رکنیت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور بعض دوسرے ملک بھی مایوسی کا شکار ہونے لگے، ۱۹۳۸ء تک اس میں زندگی کی کچھ نہ کچھ رمق باقی رہی، یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء میں جرمنی نے چیکوسلواکیہ لتھونیا وغیرہ کو یکے بعد دیگرے ہڑپ کرنا شروع کر دیا، اور آخر میں پولینڈ پر اس کی نظر کرم پڑی، اور اس پر بمباری شروع کر دی، برطانیہ اور فرانس پولینڈ کی مدد کے لیے دوڑے، جس کا نتیجہ دوسری ہولناک جنگ اور لیگ آف نیشنز کی موت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر انجمن اقوام کی کامیابی وناکامی کی جو قدرے وضاحت کی گئی ہے، اس کی روشنی میں اگر آپ (یو۔این۔او) کی ۳۸ سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں گے، تو اس کی زندگی کی طرف سے بھی آپ پر کچھ مایوسی طاری ہوگی، کیونکہ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے معاملات ونزاعات کے طے کرانے میں بڑی بڑی حکومتیں بڑی تندہی دکھاتی ہیں۔ لیکن جب خود ان کا مفاد ٹکراتا ہے۔ تو ایک دوسرے کو یا تو انگیز کرتی ہیں، یا پھر اپنے آپ بنائے چارٹر اور انسانی حقوق کے منشور کو دریا برد کر دیتی ہیں، مثال کے لیے کوریا، جرمنی، ہنگری اور الجزائر، ساؤتھ افریقہ ایتھوپیا اور عرب واسرائیل اور فلسطینیوں کے مسائل کو سامنے رکھیئے پھر یو۔این۔او کے چارٹر اور عالمی منشور پر ایک نظر ڈالئے، تو آپ کو قریب قریب وہی صورت حال نظر آئے گی، جو ۳۹ء سے پہلے دنیا کی تھی، اس وقت بھی مشرق وسطیٰ میں عرب اسرائیل کشمکش جنوبی افریقہ وغیرہ کے مسائل کے سلسلہ میں یو۔این۔او کی جنم داتا بڑی طاقتیں اپنے اپنے اغراض کے تحت کسی طرح ان کو حل نہیں ہونے دینا چاہتیں۔ خاص طور پر روس، امریکہ برطانیہ اور فرانس وغیرہ۔ اگر خدانخواستہ کوئی بڑی جنگ چھڑی تو اس کا حشر بھی لیگ آف نیشنز کا ہوگا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح کے اداروں کا قیام ضروری نہیں ہے، یا وہ مفید نہیں ہیں۔ بلکہ کہنا یہ ہے کہ موجودہ بین الاقوامیت کی بنیاد کسی بلند و پائدار تصور حیات اور بے غرض اخلاقی اقدار کے بجائے قومی خود غرضی، وطنی برتری، نسلی عصبیت اور محض مادی سیاسی اور معاشی فائدوں پر رکھی گئی ہے اس لیے اس سے نہ تو کوئی دیرپا امن قائم ہو پاتا ہے۔ اور نہ چھوٹی اور بڑی طاقتوں کے حقوق کی یکساں اور مساویانہ حفاظت ہی ہو پا رہی ہے۔

موجودہ بین الاقوامیت کی بنیادی خامی اور اس کی ناکامی

موجودہ بین الاقوامیت کی ناکامی کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے، اس سے ممکن ہے کہ یہ بات محض ایک بے دلیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعویٰ معلوم ہو، اس لئے چند باتیں وضاحت کے لیے اور عرض کر دی جاتی ہیں۔ گو یہ بجائے خود ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔

موجودہ بین الاقوامیت میں یوں تو بہت سی خامیاں ہیں، لیکن اس کی دو بڑی خامیاں ہیں ایک وطنی و نسلی جذبۂ قومیت دوسرے انسانی بھائی چارہ کے لیے محض انسان کے فکر و ضمیر پر اعتماد۔

قومیت

موجودہ دور کے جو علماء و مفکرین بین الاقوامیت کے حامی و وکیل ہیں، ان کا خیال ہے کہ،

"فرد اور نوعِ انسانی دونوں کی بہبود کے لیے لازمی ہے کہ عالم انسانی قوموں میں تقسیم ہو۔ اور اسی تقسیم پر عالمگیر انسانی اخوت کی بنیاد قائم کی جائے۔"

(قومیت و بین الاقوامیت مکتبہ جامعہ ص ۱۱۶)

ریمزے میور نے لکھا ہے کہ،

"کامیاب قومیت ہی وہ بنیاد ہے، جس پر مؤثر بین الاقوامیت قائم کی جا سکتی ہے۔"

برنارڈ جوزف اس سے بھی دو چار قدم آگے بڑھ کر لکھتے ہیں۔

"قوم انسان اور نوع انسان کے لیے لازمی کڑی ہے۔"

قومیت کے عناصر

قومیت کا بنیادی تصور جذبۂ اشتراک سے پیدا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ کچھ مشترکہ مفاد یا مصالح کے تحت کچھ لوگ ایک گروہ بن کر رہیں، اور مشترکہ مصالح اور مفاد میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ ان کی یہ اجتماعیت ان کے بہت سے کاموں کو آسان بنا دیتی ہے، قومیت کا یہ سادہ تصور قابل اعتراض نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کوئی خرابی ہے، لیکن قومیت کا یہ سادہ اور معصوم تصور اس وقت داغدار ہو جاتا ہے جب اس میں اپنے گروہ یا اپنی قوم کے لیے عصبیت پیدا ہونے لگتی ہے اب یہ عصبیت جتنی بڑھتی جاتی ہے، اتنی دوسرے گروہ یا دوسرے طرح کے افراد کی اجتماعیت سے بے گانگی پیدا ہونے لگتی ہے، یہاں تک کہ یہی قومی عصبیت حق و ناحق کا معیار بن جاتی ہے، جو اس کی قوم کرے گی، اس کا ہر فرد اسے صحیح سمجھے گا۔ اور جو دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوم کرے گی وہ غلط ہوگا۔

جس اشتراک اور اتحاد سے کوئی قومیت وجود میں آتی ہے، اس کی بے شمار صورتیں ہیں، مگر عام طور پر قدیم زمانہ سے موجودہ دور تک جن عناصر سے قومیت کی تعمیر ہوتی ہے، اس میں اسلامی قومیت کے علاوہ سب میں یہ چیزیں مشترک ہوگئی ہیں، (۱) اشتراک نسل (۲) اشتراک وطن، (۳) اشتراک زبان (۴) اشتراک رنگ (۵) پیشہ یا معاشی اغراض کا اشتراک۔

قدیم زمانہ سے اس تہذیب جدید کے دور تک آپ اگر قومیت کے بنیادی عناصر کو تلاش کریں گے تو ان میں انہی عناصر میں سے کوئی نہ کوئی عنصر اس کا محرک دکھائی دے گا، اگر اس سے پہلے آریت اور سامیت نے انسان کو کئی حصوں میں بانٹا تھا، تو اس کے بطن سے پھر یونانیت، رومیت، اسرائیلیت اور ایرانیت پیدا ہوئی، اور آج اس نے انسانوں کو اس طرح سینکڑوں، ہزاروں خانوں میں بانٹ دیا ہے، یہ دور جسے بین الاقوامی دور کہا جاتا ہے۔ اور جس کے اندر یو۔ این۔ او جیسا ادارہ قائم ہے اس میں بھی یہ عصبیت ہی اس کی ناکامی کا سبب بنی ہوئی ہے۔

عصبیت جاہلہ

اوپر اشتراک کی جن صورتوں کی بنا پر قومیت کی تعمیر کا ذکر کیا گیا ہے، اس قسم کی قومیت کا فطری تقاضا ہے کہ وہ انسان میں جاہلانہ عصبیت پیدا کرے، وہ ایک قوم کو دوسری قوم سے مخالفت اور نفرت برتنے پر صرف اس لیے آمادہ کرتی ہے، کہ وہ دوسری قوم کیوں ہے؟ اسے حق، دیانت، صداقت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، صرف یہ بات کہ ایک شخص کالا ہے، گورے کی نظر میں اسے حقیر بنادیتی ہے، صرف اتنی سی بات کہ ایک انسان ایشیائی ہے، فرنگی کی نفرتوں اور جابرانہ دراز دستیوں اور حق تلفیوں کو اس کے لیے وقف کردیتی ہے، آئن سٹائن جیسے فاضل کا اسرائیلی ہونا اس کے لیے کافی ہے کہ جرمن اس سے نفرت کرے، تشکیدی[1] کا محض سیاہ فام حبشی ہونا اسکو جائز

---

[1] بیچوانا لینڈ کے بامنگ واٹو قبیلہ کا سردار ہے، جس کو چند سال پہلے ایک یورپین پر سزائے تازیانہ جاری کرنے کے جرم میں سلطنت برطانیہ نے حقوق ریاست سے محروم کردیا تھا، حالانکہ دیسی باشندوں کے ساتھ فرنگی شخص کے افسوسناک برتاؤ کا خود برٹش ہائی کمشنر کو بھی اعتراف تھا، بعد میں غریب تشکیدی کو

(باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیتا ہے کہ یورپین کو سزا دینے کے جرم میں اس کی ریاست چھین لی جائے، امریکہ کے مہذب باشندوں کے لیے یہ قطعاً جائز ہے کہ وہ حبشیوں کو پکڑ کر زندہ جلا دیں، کیونکہ وہ حبشی ہیں، جرمن کا جرمنی ہونا اور فرانسیس کا فرانسیسی ہونا اس بات کے لیے کافی ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کریں۔ اور دونوں کو ایک دوسرے کے محاسن یکسر معائب نظر آئیں۔ سرحد کے آزاد افغانیوں کا افغان ہونا اور دمشق کے باشندوں کا عرب ہونا، انگریز اور فرانسیسی کو پورا حق بخشتا ہے کہ وہ ان کے سروں پر طیاروں سے بم برسائیں، اور ان کی آبادیوں کا قتل عام کریں، خواہ یورپ کے مہذب شہریوں پر اس قسم کی گولہ باری کتنی ہی وحشیانہ حرکت سمجھی جاتی ہو، آج ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات اسی ذہنیت کا نتیجہ ہیں، اس وقت آسامی اور غیر آسامی کا مسئلہ لیکر آسامیوں نے غیر آسامیوں کا جس طرح قتل عام کیا ہے وہ اس کی تازہ مثال ہے۔ اور اب اس نے فرقہ وارانہ رنگ اختیار کر لیا ہے، جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمان قتل کر دیئے گئے، اسی طرح نہ جانے کتنے جنسی، وطنی اور لسانی مسئلے ہمارے ملک میں سر اٹھا رہے ہیں، یہ سب اسی قومی عصبیت جاہلیہ کی پیداوار ہیں۔

غرض یہ جنسی یا وطنی اور لسانی امتیاز وہ چیز ہے جو انسان کو حق اور انصاف کی طرف سے اندھا بنا دیتی ہے، اور اس کی وجہ سے عالمگیر اصول اخلاق و شرافت بھی قومیتوں کے قالب میں ڈھل کر کہیں ظلم اور کہیں عدل، کہیں سچ اور کہیں کمینگی اور کہیں شرافت بن جاتے ہیں۔

کیا انسان کے لیے اس سے زیادہ غیر معقول ذہنیت اور کوئی ہو سکتی ہے، کہ وہ نالائق بدکار اور شریر آدمی کو ایک لائق، صالح اور نیک نفس آدمی پر صرف اس لیے ترجیح دے کہ پہلا ایک نسل میں پیدا ہوا ہے، اور دوسرا کسی اور نسل میں؟ پہلا سفید ہے اور

(بقیہ حاشیہ) صرف اس وقت بحال کیا گیا جب کہ اس نے ہمیشہ کے لیے عہد کر لیا کہ وہ کبھی کسی ایسے مقدمہ کا فیصلہ نہ کرے گا، جس کا تعلق کسی یورپین سے ہو، مگر ایسی کوئی شرط اس عہد نامہ میں نہیں رکھی گئی کہ یورپین حضرات بھی ویسی باشندوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے تعرض نہ فرمائیں گے مسئلہ قومیت صفحہ ۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرا سیاہ؟ پہلا ایک پہاڑ کے مغرب میں پیدا ہوا ہے، اور دوسرا اس کے مشرق میں؟ پہلا ایک زبان بولتا ہے، اور دوسرا کوئی اور زبان؟ پہلا ایک سلطنت کی رعایا ہے، اور دوسرا کسی اور سلطنت کی؟ کیا جلد کے رنگ کو روح کی صفائی و کدورت میں بھی کوئی دخل ہے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ مشرق میں جو چیز حق ہو وہ مغرب میں باطل ہو جائے؟ کیا کسی قلب سلیم میں اس چیز کے تصور کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نیکی، شرافت اور جوہر انسانیت کو رگوں کے خون، زبان کی بولی، مولد و مسکن کی خاک کے معیار پر جانچا جائے؟ یقیناً عقل ان سوالات کا جواب نفی میں دے گی، مگر نسلیت، وطنیت اور اس کے مہین بھائی نہایت بے باکی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ راقم کے خیال میں دنیا کے موجودہ قومی و وطنی جذبے کے ساتھ جو بین الاقوامیت قائم ہو گی، وہ نہ تو بے لاگ انصاف کر سکے گی، اور نہ وہ زیادہ دیر تک اپنا وجود ہی قائم رکھ سکے گی بلکہ یہ بین الاقوامیت چھوٹی چھوٹی مملکتوں اور کمزور طاقتوں کے لیے ایک اجتماعی ظلم کا پیش خیمہ بن سکتی ہے، بلکہ بن رہی ہے، جب تک قوموں کے درمیان کوئی بے غرض مشترک اخلاقی جذبہ اور روحانی تصور حیات کی کارفرمائی نہ ہو، اس وقت تک ان کے اشتراک اور بین الاقوامیت کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے کسی بڑے سیلاب کی رد سے بچنے کے لیے انسان، حیوان، درندے اور سانپ بچھو تک کسی درخت یا ٹیلہ پر پناہ لینے کے لیے اکٹھا ہو جائیں اور جب تک اس کا خوف باقی رہے، سب ایک دوسرے کے لیے بے ضرر بنے رہیں، لیکن جوں ہی سیلاب کا زور گھٹنا اور اس کا خوف دور ہونا شروع ہو، ایک دوسرے کے کاٹ کھانے کی فکر میں لگ جائیں، اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، ان کی روشنی میں آپ غور کیجیے، تو یہ کوئی نرا آفاقی نظریہ نہیں معلوم ہو گا، بلکہ ایک حقیقت اور عینی مشاہدہ معلوم ہو گا، علامہ اقبال نے وطنی جذبہ قومیت کے بارے میں بالکل صحیح کہا ہے:

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے ۔۔۔ تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے ۔۔۔ کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

فارسی میں انہوں نے اسے اور زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از فریب عصر تو ہشیار باش — رہ فتد اے راہ رو ہشیار باش
آں چناں قطع اخوت کردہ اند — بر وطن تعمیر ملت کردہ اند
تا وطن را شمع محفل ساختند — نوع انساں را قبائل ساختند
مردمی اندر جہاں افسانہ شد — آدمی از آدمی بیگانہ شد
روح از تن رفت و ہفت اندام ماند — آدمیت گم شد و اقوام ماند

عقل وضمیر کا اشتراک

دوسرا استون جس پر بین الاقوامیت کی فلک بوس عمارت کھڑی کی گئی ہے، وہ عقل وضمیر کا اشتراک ہے، یو این او کی طرف سے جو انسانی حقوق کا عالمی منشور دسمبر ۴۸ء کو شائع کیا گیا، اس کی پہلی دفعہ میں کہا گیا ہے:

"تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں انہیں ضمیر و عقل دی گئی ہے، اس لیے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کا سلوک کرنا چاہیے۔"

اس دفعہ میں ضمیر و عقل کے اشتراک کو انسانی بھائی چارہ کا سبب اور اساس قرار دیا گیا ہے، کیا واقعی محض عقل و ضمیر کا اشتراک ہی ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ بھائی چارہ پر ابھار سکتا ہے۔ ایک قوم میں دوسری قوم کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنے کی ترغیب پیدا کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی فرد کے خلاف یا کسی قوم سے دوسری قوم کے خلاف انسانی بھائی چارہ کے برعکس کوئی عمل یا قول سرزد ہو جائے تو کیا یہ اشتراک اس کے دل میں شرمندگی اور تلافی کے جذبہ کو بھی نشوونما دے سکتا ہے۔

عاجز کے خیال میں اگر عقل و ضمیر کے پیچھے کوئی اخلاقی محرک نہ ہو تو اس کا نرا اشتراک کوئی پائدار اور ہمہ گیر بھائی چارہ اور مساوات کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے بالکل ناکافی ہے، بلکہ اس سے مساوات اور بھائی چارہ [illegible]ئے تفوق و برتری کا جذبہ ابھرے گا، کیونکہ احساس، وجدان اور علم و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی عقل اور ضمیر میں کچھ نہ کچھ تفاوت ہوتا ہے، اور یہ تفاوت لامحالہ زیادہ فہم و ادراک رکھنے والے افراد یا قوم کو تفوق و برتری پر ابھارے گا، کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعی انسانی حقوق کی ضمانت دینے والوں نے ایک دن بھی اپنی بنائی ہوئی دفعہ کے پیش نظر پوری دنیا کو حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر سمجھا' اور ان کی آزادی کو اپنی آزادی تصور کیا' کیا عقل وضمیر کے اشتراک کا تقاضا یہی ہے کہ دس سال تک چین کو یو۔ این۔ او کا ممبر نہ بنایا جائے[1] کیا انسانی بھائی چارہ کا یہی تقاضا ہے' کہ پانچ بڑی طاقتوں کو مستقلاً ویٹو پاور دیدیا جائے کیا جمہوریہ چین' جاپان' پاکستان' ہندوستان اور جرمنی حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر نہیں پیدا کئے گئے ہیں' کیا ان کے پاس عقل وضمیر نہیں ہے؟ کیوں ان کو ہمیشہ کے لیے ویٹو سے محروم کر دیا گیا ہے۔ کیا لیٹل راک برطانیہ اور افریقہ کے ریڈ انڈینس اور سیاہ فاموں کے پاس عقل وضمیر نہیں ہے؟ غرض یہ کہ جب تک عقل وضمیر کے پیچھے کوئی بلند اور بے غرض اخلاقی جذبہ نہ ہو گا' اس وقت تک فکر انسانی پر اعتماد کر کے جو تعمیر بھی اٹھائی جائے گی' وہ کبھی پائدار نہیں ہو سکتی' حکیم مشرق نے صحیح کہا ہے:

فکر انسان بت پرستے بت گرے — ہر زماں در جستجوے پیکرے

فکر انسانی بت پرست بھی ہے اور بت گر بھی — ہر زمانہ میں وہ ایک نیا بت تراش لیتی ہے

باز طرح آذری انداخت است — تازہ تر پروردگارے ساخت است

اس نے اس زمانہ میں ایک نئی آذری کی ہے — اور ایک تازہ بت قومیت و طنیت کا تراش لیا ہے

آدمیت کشتہ شد چوں گوسفند — پیش پائے ایں بت نا ارجمند

آدمیت کو اس فکر انسانی نے اسی طرح ذبح کر ڈالا ہے جس طرح بت کے سامنے بھیڑ بکری بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو جیسا مادیت پسند آدمی بھی یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ:

"عقلیت پسندی اپنی تمام خوبیوں کے باوجود کسی نہ کسی وجہ سے صرف چیزوں کی سطح کو دیکھتی معلوم ہوتی ہے' اور اندر کی اصل چیز نہیں دیکھ پاتی" (تقریر ۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء)

غرض یہ عقل وضمیر کا محض اشتراک کوئی ایسا قابل اعتماد اور مؤثر محرک نہیں ہے' کہ ایک نسل و وطن کا انسان لامحالہ تمام انسانوں کو حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر ہی سمجھے۔

---

[1] چین ۱۹۷۱ء میں جا کر اس کا ممبر بن سکا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کا نقطہ نظر

اسلام جس طرح زندگی کے ہر معاملہ میں مثبت اور منفی دونوں طرح کے اصول و تصورات دے کر ایک اعتدال قائم رکھتا ہے، اسی طرح بین الاقوامیت کے سلسلہ میں بھی اس نے دونوں طرح کے اصول و تصورات دیئے ہیں۔ لیکن ان اصول و تصورات کی تفصیل سے پہلے دو ضروری باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں، ایک یہ کہ اسلام کے بین الاقوامی تصورات کی بنیاد نہ تو محض چند مشترک مادی اغراض پر ہے، اور نہ ہنگامی اور عارضی حالات نے انہیں جنم دیا ہے، اور نہ اس میں کسی خاص گروہ یا قوم ہی کی سیاسی یا معاشی بہبود پوشیدہ ہے۔ بلکہ اس کے واضع یعنی خدائے قدوس نے اس کی فطرت اور ساخت ہی ایسی بنائی ہے، کہ وہ ہر انسان میں "زندہ رہنے اور زندہ رہنے دینے" کے جذبہ کو ابھارتا ہے، وہ زمان و مکان کے قیود سے آزاد ہے، وہ ایک ایسا خالص پاکیزہ تصور ہے، جو انسان کو ایک رشتہ وحدت میں پرو سکتا ہے، خواہ وہ کسی ملک، کسی قوم اور کسی نسل کا فرد ہو، اس کے دیئے ہوئے عقائد، نظام اخلاق نظام معیشت، نظام سیاست سب کا مزاج آفاقی اور بین الاقوامی ہے۔

دوسری بات یہ کہ زندگی کے خارج میں کوئی انقلاب اس وقت تک رونما نہیں ہو سکتا، جب تک خود اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ پیدا ہو چکا ہو، کوئی نئی دنیا خارجی شکل اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسان کے قلب و ضمیر میں متشکل نہ ہو جائے، اس لیے اسلام خارج سے پہلے انسان کے داخل میں انقلاب پیدا کرتا ہے، اور اسی کے سہارے پھر خارج کو درست کرتا ہے۔

انہی دونوں خصوصیتوں کے پیش نظر اسلام انسان کی داخلی تعمیر کے لیے ایک خاص تصور کائنات نظریہ زندگی، اور خلافت آدم کا آفاقی تصور دیتا ہے، اور پھر اسی تصور کی بنیاد پر اس کے لیے بین الاقوامیت کے کچھ قانونی اور خارجی اصول دیتا ہے۔

اسلام کا تصور کائنات اور اس میں انسان کی حیثیت

اسلام کا کائناتی تصور یہ ہے کہ یہ پوری کائنات اپنے پورے مربوط نظام کے ساتھ ایک خدا کی پیدا کی ہوئی ہے، اور جس طرح وہ اس کا خالق ہے، اسی طرح اس کا مالک، حاکم اور رب بھی ہے، یہ زمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس پر ہم رہتے ہیں، پوری کائنات کا ایک چھوٹا سا حصہ اور جز ہے، جو کائنات کے دوسرے حصوں سے اسی طرح مربوط ہے جس طرح انسانی جسم کے اعضاء آپس میں مربوط ہیں۔ پوری کائنات جس طرح خدا کی محکوم اور مخلوق ہے اسی طرح انسان جو اس کائنات کا سب سے مؤثر عنصر ہے بھی اس کا محکوم اور مخلوق ہے، خلق و امر کا جو تعلق خدا کو پوری کائنات سے ہے، وہی تعلق اس زمین کے بسنے والوں سے ہے۔

ولهٗ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون الا لہ الخلق والامر الحمد للہ رب العٰلمین۔	زمین و آسمانوں میں جو بھی ہیں، چار و ناچار اسی کے مطیع ہیں۔ اور اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے، اسی نے پیدا کیا ہے، اور وہی اسے چلا رہا ہے، تمام تعریف خدا کے لیے ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔

جس طرح یہ پوری کائنات اور اس کے کروڑوں، اربوں ستارے اور سیارے اپنے خالق کے نظام اطاعت میں جکڑے ہوئے ہیں، اسی طرح یہ انسان بھی چار و ناچار تکوینی اعتبار سے اسی نظام اطاعت میں جکڑا ہوا ہے، جس طرح زمین، چاند، سورج، اپنی تخلیق، حرکت اور طلوع و غروب میں ایک کائناتی قانون کے پابند ہیں، اسی طرح انسان بھی اپنی زندگی اور موت فطری قوتوں اور صلاحیتوں میں اس کے قانون تکوینی کا پابند ہے، خدا نے انسان کامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں پہلے ہی دن یہ بات اتار دی کہ:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ (علق)	پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے کائنات کی تخلیق کی، اس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، یاد رکھو تمہارے رب کریم نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اور انسان جو کچھ نہیں جانتا تھا، اس نے وہ سب اسے سکھا دیا۔
خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ	اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے۔

پھر اس تصور کے ساتھ اسلام انسان کے قلب و ضمیر میں یہ تصور بٹھاتا ہے، کہ نہ تو یہ پوری کائنات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تخلیق اور اس کا پورا نظام بحث و اتفاق کا نتیجہ ہے، اور نہ انسان کی تخلیق کسی بے جان مادہ کے ارتقاء سے وجود پذیر ہوگئی ہے، بلکہ پوری کائنات کو ایک علیم وخبیر ذات نے پیدا کیا ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے، اور جب چاہے گا، وہ اسے فنا کردے گا، اور فنا کردینے کے بعد پھر ایک دوسری دنیا آباد کرے گا، جس میں وہ عقل و ہوش رکھنے والے ہر ہر فرد سے اس کے اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔

خلافت آدم کا تصور

پہلے تصور کو ہم توحید اور دوسرے تصور کو آخرت کہتے ہیں، ان دونوں تصورات کے بعد اسلام خلافت آدم کا تصور انسان کے ذہن نشین کرتا ہے، اس کارخانہ قدرت میں سب سے مؤثر محترم اور فعال عنصر انسان ہے، اسی کو عقل، ادراک اور ارادہ و اختیار کی دولت ملی ہے۔ اس عالم امکان کے سارے ہنگامے، نوبہ نو حسن آفرینیاں اور جہان رنگ و بو کے سارے نقش و نگار اسی کے وجود کے کرشمے ہیں۔ اور یہ تاثیر، تخلیقی قوت اور صلاحیت اس کے اندر اس کے خالق نے رکھ دی ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ	ہم نے نوع انسانی کو معزز و مکرم بنایا، خشکی و
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ	تری میں پھرایا، اور ان کو اچھا رزق دیا اور
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي	اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی۔
كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝	(بنی اسرائیل)

صرف اتنی ہی نہیں، بلکہ اس نے پوری کائنات کو نوع انسان کے لیے خوان یغما بنا دیا ہے وہ اپنی صلاحیت سے چاہے تو دریاؤں کو اپنے قابو میں لائے، سورج کی تمازت سے دہکتے ہوئے دشت و صحرا کو گل و لالہ میں تبدیل کردے، چاہے تو سمندروں کو مسخر کرے، اور چاہے تو عناصر کی ترتیب سے نئے نئے اکتشافات کرے، اور چاہے تو ہواؤں، فضاؤں اور سیاروں پر حکمرانی کرے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي	اور اس نے تمہارے لیے کشتیاں مسخر کیں تاکہ اس
الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ	کے حکم سے وہ سمندر میں رواں دواں ہو، اور
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ	تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا، اور سورج و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا (ابراہیم)

چاند کو اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، جو سرگرم عمل ہیں، اس نے دن رات کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، جو کچھ تم نے اس سے مانگا وہ اس نے تمہیں دیا، اگر تم اس کی نعمتوں کا شمار کرو تو ان کو گن نہ سکو گے۔

انسان کی یہی حیثیت اس کو خلافت الٰہی کا مستحق قرار دیتی ہے، اسلام کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے کی گئی ہے، یہ کوئی دو چار صدی کا نہیں، بلکہ اتنا ہی پرانا منصب ہے، جتنا خود انسان۔ بلکہ پہلے انسان کی تخلیق کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (بقرہ) میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

خلافت الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو اپنے ارادہ و اختیار اور قوائے علم و عمل سے کام لے کر کائنات میں پورے طور پر تصرف و استفادہ کرنے کی جو اجازت دی ہے، یہ تصرف و استفادہ آزادانہ نہیں، بلکہ محکومانہ و نائبانہ ہونا چاہیے، اگر وہ استفادہ و تصرف میں آزاد روی اختیار کرے گا، تو وہ اپنے مرتبہ انسانیت سے نیچے گر جائے گا، اور وہ خدا کے یہاں سزا پائے گا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (والتین)

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو بہت نیچے گرا دیا، مگر جو لوگ ایمان لائے، اور عمل صالح کئے۔ ان کے لیے بے حساب اجر ہے۔

خدا نے پہلے انسان کی تخلیق خلافت و نبوت کی ذمہ داری کے ساتھ کی تھی، اس لیے انسان کے ہر ہر فرد کو چاہیے کہ وہ اس دنیا میں خلافت الٰہی کا فرض ایک فرض شناس کی طرح انجام دے، وہ اس کائنات میں خدا بن کر نہیں بلکہ نائب خدا بن کر تصرف کرے وہ صفات الٰہی کا مظہر بن کر کائنات ارضی کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے، اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تخلقوا باخلاق اللہ کا حکم دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کے خالق کی نظر جہان ہست وبود کی پہنائیوں سے بھی زیادہ وسیع ہے، اسی طرح انسان کے قلب و نظر میں وسعت و ہمہ گیری ہونی چاہیے، جس طرح اُس کے رحم وکرم کا فیضان ساری مخلوقات کے لیے عام ہے، اسی طرح اس کے دل میں بھی یہی ہمہ گیر جذبہ رحم وکرم موجزن ہونا چاہیے، اس کا خوان ربوبیت ایک ایسا خوان یغما ہے، جسے وہ اپنے نافرمانوں پر بھی بند نہیں کرتا، انسان کو بھی اپنے اندر ربوبیت عامہ کا یہی جذبہ ابھارنا چاہیے، وہ سب کو دیتا ہے، مگر خود کسی سے کچھ نہیں چاہتا، یہی بے نیازی اور بے غرض جذبہ انسان کو اپنے دل کی گہرائیوں میں پیدا کرنا چاہیے، ساری مخلوق خدا کی عیال ہے، اس کے ایک ایک فرد سے اس کو محبت ہے، اس لیے ایک انسان کو ایک انسان اور دوسری عام مخلوق کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جو اپنے بال بچوں کے لیے وہ پسند کرتا ہے۔ وہ عادل ہے، اس لیے عدل و انصاف قائم رکھنے کے لیے اسے کبھی سختی بھی کرنی پڑتی ہے، انسان کو بھی عدل وانصاف کا منصب ملا ہے، اس لیے وہ بھی عدل وانصاف کے وقت، عدل و انصاف کے قائم کرنے کے لیے قوت کا استعمال کر سکتا ہے۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است ‏ ‏ ‏ بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است ‏ ‏ ‏ ہستی او ظل اسم اعظم است
ذات او توجیہ ذات عالم است ‏ ‏ ‏ از جلال او نجات عالم است

انسان کا یہ منصب اس کی مسئولیت کا سبب بھی ہے، یعنی اگر وہ نیابت الٰہی کے فریضہ کی انجام دہی میں قصداً کوئی غلطی یا آزادروی اختیار کرے گا، تو اس کے ہر ہر فرد سے الگ الگ خالق کائنات بازپرس کرے گا۔ کیونکہ ارادہ واختیار کے ساتھ کسی کی نیابت خود بخود مسئولیت کی متقاضی ہوتی ہے۔

رسالت وکتاب کا تصور

انسان چونکہ ارادہ واختیار، عقل وادراک اور جذبات خواہشات سے مرکب ہے اس لیے اس بات کا ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت امکان رہتا ہے۔ کہ وہ نیابت و امانت کی اس ذمہ داری کو فراموش کر جائے! اور اپنے ارادہ و اختیار پر مغرور ہو کر یا جذبات و خواہشات میں گرفتار ہو کر وہ نائب حق بن کر کام کے کرنے کے بجائے خود مالک کل بن بیٹھے، اور خود خدائی کا دعوے کرنے لگے اس کو اس غلط روی سے بچانے اور راسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے خدا کی طرف سے انبیاء کی بعثت اور نزول کتاب کا سلسلہ جاری کیا گیا، جو اسلامی عقیدہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کے نزول کے بعد ختم ہو گیا۔ جس طرح خدا کی خدائی کسی ایک قوم، کسی ایک گروہ یا کسی ایک نسل کے لیے مخصوص نہیں ہے، اور جس طرح خدا کی نیابت و خلافت کسی طبقہ یا گروہ کے لیے مخصوص نہیں ہے، اسی طرح اس کے رسول کی بعثت اور نزول کتاب بھی تمام نوع انسانی کا مشترک سرمایہ ہے، جس طرح خدا کی ساری مادی نعمتیں ہر فرد کے لیے عام ہیں۔ اسی طرح یہ روحانی نعمت بھی تمام مخلوق کے لیے عام ہے، نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ — ہم نے تم کو تمام عالم کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا — ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے انجام سے باخبر کرنے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا۔

خود قرآن اپنے بارے میں یہ اعلان کرتا ہے کہ:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ — یہ کتاب الٰہی تمام عالم کے لیے نصیحت ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا — پاک ہے وہ ذات جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن اپنے بندہ پر اتارا تاکہ وہ تمام انسانوں کو انجام بد سے ڈرائے۔

وحی حق بینندہ سود ہمہ
در نگاہش سود و بہبود ہمہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق کا پیغام سب کا فائدہ دیکھتا ہے
اس کے پیش نظر ہر شخص کا فائدہ ہوتا ہے

ان تصورات کا اثر زندگی پر

اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات کی اخلاقی و قانونی بنیاد ان ہی مذکورہ بالا فطری اور آفاقی حقیقتوں پر ہے۔ انہی آفاقی تصورات کی بنیاد پر اسلام کی بین الاقوامیت کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہ سوچیں کہ یہ چند جامد تصورات رواں دواں عملی زندگی میں کیا اثر پیدا کر سکتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ موجودہ قومی و نسلی فضا میں کیا انقلاب رونما ہو سکتا ہے، لیکن ان کا یہ سوچنا نہ تو حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہوگا، اور نہ تاریخی شہادت کے لحاظ سے۔

جو لوگ انسانی زندگی کی ساخت اس کی حقیقت اور اس کی فطری اثر پذیری پر غور کرتے ہیں وہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں، کہ انسان اپنے دور وحشت سے لے کر موجودہ صدی تک ہر زمانہ میں اخلاقی و روحانی تصورات سے جتنا متاثر ہوا ہے، اتنا کسی دوسرے تصور سے متاثر نہیں ہوا ہے، اس کے داخل و خارج میں جتنا پائدار انقلاب ان تصورات کے ذریعہ برپا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ انقلاب کسی دوسرے تصور سے نہیں پیدا ہوا ہے۔ اور نہ ان تصورات سے زیادہ کسی دوسرے تصور نے اس کو سکون و اطمینان دیا ہے، موجودہ دور کے بعض بڑے بڑے سوشلسٹ اور مادیت پسند زعماء بھی اب اس حقیقت کے ماننے پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں بلکہ اہل مغرب میں تو ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہو گئی ہے، جو یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جب تک افراد میں کوئی اندرونی انقلاب نہیں ہوگا۔ اس وقت تک بین الاقوامیت بار آور نہیں ہو سکتی خاص طور پر اس سلسلہ میں سی، ای، ایم جوڈ، یہودی فلسفی اسکاٹ سموئل جیمس اور مسٹر ٹائن بی کے نام قابل ذکر ہیں۔

اور آپ اگر دنیا کی مذہبی و روحانی تاریخ اور خاص طور پر اسلامی انقلاب کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے، تو آپ کو یقین ہو جائے گا، کہ ان تصورات نے قوم و وطن اور رنگ و نسل کی عصبیت سے انسانوں کو واقعی نجات دینے میں کتنی زیادہ مدد کی ہے، اور موجودہ دور میں اس سے نجات پانے کا جو جذبہ بھی دنیا میں پایا جاتا ہے، وہ اسی انقلاب کا رہین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منت ہے ۔ یہ موضوع ایک طویل بحث چاہتا ہے، اس لیے ہم اسے اس وقت نظرانداز کرتے ہیں۔

بہرحال اسلام پہلے ان ہی آفاقی تصورات کو انسان کے قلب وضمیر میں اتارتا ہے، اور پھر اس کے ذریعہ ایک عالمگیر بھائی چارے کی فضا قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لیے وہ بے شمار اخلاقی وقانونی ہدایتیں دیتا ہے۔

اسلام کے نزدیک بھائی چارہ کی مشترک بنیاد خون کا رشتہ ہے

اسلام محض عقل و ضمیر کے اشتراک پر انسانی بھائی چارہ کی بنیاد استوار نہیں کرتا، بلکہ وہ پہلے مذکورہ بالا تصورات ذہن نشین کراتا ہے، اور پھر وہ اس مادی دنیا میں بھائی چارہ کی بنیاد رشتہ خون پر رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ سارے انسان جس بھی ماں باپ کی اولاد ہوں ان میں ایک ہی ماں باپ کا خون رواں دواں ہے، جس طرح ایک ماں باپ کے لڑکے بھی مختلف رنگ وروپ، مختلف قوت وصلاحیت اور مختلف عقل و ضمیر کے ہوتے ہیں، اسی طرح دنیا کے انسانوں میں رنگ ونسل اور قوت وصلاحیت کا اختلاف ہے، لیکن بہرحال ان سب میں خواہ کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، یورپین ہوں یا امریکن، ہندی ہوں یا جاپانی، ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کا خون دوڑ رہا ہے اس لیے جس طرح ایک ماں باپ کے بیٹے اختلاف صورت وسیرت کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے شادی وغم میں شریک ہوتے ہیں، اسی طرح دنیا کے تمام انسانوں کو فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی ایسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہیے، قرآن نے اس حقیقت کو بار بار تمام انسانوں اور خاص طور پر اپنے ماننے والوں کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (حجرات)

اے لوگو تم کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور بنائے تمہارے گروہ اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي	اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے
خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ	تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور پھر اسی
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	سے اس کی بیوی کو پیدا کیا، پھر دونوں کے
كَثِيرًا وَنِسَاءً (نساء)	ذریعہ بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا یا
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	اس کی نشانیوں میں زبان اور رنگ کا اختلاف
وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ	ہے اس میں عقل والوں کے لیے بہت
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ	نشانیاں ہیں۔

قرآن نے بارہا اس حقیقت کو ذہن نشین کرایا ہے کہ قبیلوں، قوموں یا زبانوں کا اختلاف ایک تعارف کا ذریعہ اور خدا کی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ ورنہ احترام انسانیت کے اعتبار سے سب ایک ہیں، اور مادی حقوق کے اعتبار سے ان میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔

اس کی مزید تفصیل آپ کو ارشادات نبوی میں ملے گی، آپ نے بارہا اعلان فرمایا کہ:

الناس كلهم من آدم وآدم	تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی
من تراب (ابوداؤد، ترمذی)	سے بنے تھے۔

اس تصور کو مزید مؤثر بنانے کے لیے آپ نے فرمایا کہ اس بھائی چارہ کی وجہ وسبب صرف یہی نہیں کہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، بلکہ اس لیے بھی ان میں بھائی چارہ ہونا چاہیے کہ یہ سب ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔ اور فرداً فرداً سب اس رشتہ عبدیت میں جڑے ہوئے ہیں۔

كونوا عباد الله اخوانا	بھائی بھائی بن کر اللہ کے بندے ہو جاؤ۔

آپ صبح وشام جو دعا فرماتے تھے، اس میں توحید وآخرت کے اقرار کے بعد تیسری چیز یہی عالمگیر بھائی چارہ کا اعلان واقرار ہوتا تھا۔

اللهم ربنا ورب كل شيء	اے اللہ ہمارے رب اور تمام چیزوں کے
انا شهيد ان العباد كلهم اخوة	رب! میں گواہ ہوں کہ تیرے تمام بندے
(احمد، ابوداؤد)	آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتنا ہی نہیں، بلکہ آپ نے فرمایا کہ اس بھائی چارہ کی وجہ یہ بھی ہے، کہ ساری مخلوق خدا کی عیال ہے اس لیے جو بھی اس کی مخلوقات کے ساتھ حسن خلق سے پیش آئے گا، خدا کے یہاں محبوب ہوگا۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق	ساری مخلوق خدا کی کفالت میں ہے، تو
الی اللہ احسن الی عیالہ	جو شخص خدا کی مخلوق کے ساتھ حسن سلوک
(مشکوٰۃ)	کرے گا، وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

شیخ سعدی نے اسی تصور کو ان اشعار میں واضح کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند — چو بعضے ز بعضے اگر کمتر اند

سارے انسان ایک دوسرے کے اعضا ہیں — جس طرح ان میں کوئی چھوٹا عضو ہے اور کوئی بڑا

چو عضوے بدرد آید از روزگار — دگر عضو ہا را نماند قرار

مگر جب کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے — تو دوسرے اعضا بھی اسکی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں

غور کیجیے! کیا انسانی بھائی چارے کا اس سے زیادہ فطری، موثر اور ہر خاص و عام کو اپیل کرنے والا کوئی دوسرا آفاقی تصور ہو سکتا ہے؟ یہی تصور ہے جو ہندوستان کے اچھوتوں لٹیل راک کے حبشیوں، امریکہ کے ریڈ انڈینوں اور افریقہ کے سیاہ فاموں کو برہمنوں اور اور سفید فاموں کے ہم مرتبہ بنا سکتا ہے، اور اس نے بنا کر دکھایا ہے۔

اسلام نے انسانی بھائی چارہ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے اور انسان کو اس صراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے ہر صنف کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں، اس نے اس رشتہ انسانیت کی حفاظت کے لیے ہر شعبہ زندگی میں مساوات کا درس دیا ہے، اور اسے زیادہ سے زیادہ نشو و نما دینے کیلئے حریت فکر، حریت عقیدہ اور حریت تقریر و تحریر کی ہمت افزائی کی ہے، پھر اس تصور کو ذہن میں تازہ رکھنے کے لیے اس نے ایک ہمہ گیر نظام اخلاق دیا ہے، جو اس کا سب سے مؤثر داخلی نگراں ہے، میں نے جن عنوانات کا اوپر ذکر کیا ہے، ان میں ہر ایک کی تفصیل کے لیے ایک مستقل مضمون درکار ہے، اس لیے اشارات کرتے ہوئے گذر جانا ہی زیادہ مناسب ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانیت کے مختلف طبقات کے درمیان جو اختلافات ہیں چونکہ وہ از روئے قرآن فطری ہیں اس لیے اسلام ان کی مذمت نہیں کرتا بلکہ انہیں تو آیات اللہ میں شمار کرتا ہے البتہ انہیں اِنسان انسان میں تفریق کی بنیاد نہیں قرار دیتا۔ ارشاد باری ہے:

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّلْعَالِمِیْنَ۔[1]

تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف میں جاننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

مختلف خطوں اور آب و ہوا کے اختلاف کی وجہ سے جو انسانوں کی بےشمار زبانیں بن گئی ہیں؛ خالق کائنات کی قدرت کی علامتیں اور نشان ہیں مگر یہ نشانی تعارف و ملاقات کا ذریعہ ہے، انسان انسان میں تفریق و تقسیم کی بنیاد نہیں ہے۔

وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔[2]

ہم نے تم کو قبیلوں اور گروہوں میں اس لیے بانٹ دیا ہے، کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک یہ چیزیں عزت کا سبب نہیں ہیں بلکہ اس کی بارگاہ میں عزت پرہیزگاری کی ہے۔

یعنی اس سے یہ پتہ چل سکے کہ فلاں آدمی فلاں زبان کا بولنے والا ہے یا وہ فلاں خطہ کا رہنے والا ہے۔ تاکہ ایک زبان بولنے والے یا ایک خاص خطہ کے رہنے والے اس سے اسی اعتبار سے اپنا رشتہ اخوت استوار کر سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہترین مثال دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

اَلنَّاسُ سَوَاسِیَۃٌ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ الْوَاحِدِ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی[3]

---

[1] الروم: ۲۲ [2] حجرات: ۱۳ [3] مشکوٰۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام انسان آپس میں کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں نہ تو کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فی نفسہٖ کوئی فضیلت ہے، نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فوقیت ہے۔ مگر اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی وجہ سے فضیلت دی جائے گی۔

آپؐ نے صرف مثبت طور پر مساوات اور بھائی چارہ کی تعلیم نہیں دی بلکہ منفی طور پر ہر طرح کی عصبیتوں کی جڑ بھی کاٹ دی تاکہ انسانی مساوات اور بھائی چارہ میں کوئی رخنہ نہ پڑنے پائے آپؐ نے ایک بار بڑے سخت انداز میں فرمایا۔

مَا مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّۃً وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ۔

وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو تعصب کی دعوت دے اور وہ شخص بھی مسلمان نہیں ہے جو کسی عصبیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عصبیت کی وجہ سے مرے۔

"لَیْسَ مِنَّا" کے جملہ پر غور فرمایئے۔ یہ جملہ آپؐ اس وقت فرمایا کرتے تھے جب کوئی کام کفر سے قریب اور ایمان کے منافی ہوتا تھا، ایک بار کچھ لوگوں نے قومیت و وطنیت کا نعرہ لگایا تھا، تو آپ نے فرمایا کہ:

دعوھا فانھا خبیثۃ [2]

---

[1] مشکوٰۃ۔

[2] بخاری۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے چھوڑ دو یہ بڑی غلیظ چیز ہے۔

کسی نے آپؐ سے پوچھا کہ عصبیت کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ:

اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ [1]

ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرنا عصبیت ہے۔

ایک بار کسی نے پوچھا کہ:

اَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يُحِبَّ الرجل قَوْمَهٗ

کیا یہ عصبیت ہے کہ آدمی جن لوگوں کے ساتھ رہتا سہتا ہے محبت کرے؟

آپؐ نے فرمایا:

لَا وَلٰكِنَّ الْعَصَبِيَّةَ اَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهٗ على الظلم [2]

نہیں یہ عصبیت نہیں ہے، بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں بھی اپنی قوم کی مدد کرے۔

آپؐ نے اس کی ایک اور تمثیل بیان فرمائی۔ فرمایا کہ جو شخص ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرتا ہے وہ اس اونٹ کے مانند ہے جو ایک گہرے کوئیں میں گر پڑا ہو اور پھر اس کی دم پکڑ کر اسے کھینچا جا رہا ہو۔

ان تعلیمات پر نگاہ ڈالتے وقت چھٹی صدی عیسوی کے جذبہ عصبیت اور قومی و نسلی تفاخر پر ایک نظر ڈال لیجیے، دنیا جس وقت خاندان، برادری اور زیادہ سے زیادہ ایک نسل اور قوم کی پگڈنڈیوں میں بھٹک رہی ہو اس وقت قرآن نے انسان

---

[1] ابوداؤد۔

[2] احمد، ابن ماجہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو آفاقیت کی یہ روشنی دکھائی پھر غور کیجیے اس تصور نے اس عہد اور سوسائٹی میں کتنا انقلاب پیدا کیا، اسی تصور نے بلال حبشیؓ کو حضرت عمرؓ کی زبان سے "سیدنا بلالؓ" کہلوایا۔ اسی نے صہیبؓ رومی، عمارؓ بن یاسر اور زیدؓ بن اسامہؓ کو وہ رتبہ دیا جو ایک قریشی کا تھا اور اسی نے سلمان فارسیؓ کو اہل بیت نبوی کا ایک فرد بنا دیا، سلمانُ مِنّا۔

یہ واقعہ تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا کہ آستانہ فاروقی پر حضرت بلالؓ اور قریش کے سردار حضرت ابوسفیان دونوں حاضر ہیں اور اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اجازت لینے والے نے پہلے حضرت سفیان، پھر حضرت بلالؓ کا نام لیا۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹا کہ پہلے بلالؓ کا نام لو۔ حضرت بلالؓ کو اندر آنے کی اجازت دیدی اور حضرت ابوسفیانؓ کو ملاقات کے بغیر واپس جانا پڑا۔

حکیم مشرق نے اسلام کی بالکل صحیح ترجمانی کی ہے۔

جوہر ما با مقامے بستہ نیست — بادۂ تندش بجامے بستہ نیست
اسلامی جذبہ کسی مقام کا پابند نہیں ہے — اور اس شراب کی سرمستی کسی جام کی پابند نہیں ہے

ہندی و چینی سفال جام ماست — رومی و شامی گلِ اندامِ ماست
ہندی، چینی سب ایک ہی مٹی سے بنے ہیں — رومی اور شامی سب کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے

قلب ما در ہند و روم و شام نیست — مرز و بومِ او بجز اسلام نیست
ہمارا دل ہندوستان یورپ اور عرب کا پابند نہیں ہے — ہمارا وطن تو سر زمین اسلام ہے

عقدۂ قومیت مسلم کشود — از وطن آقائے ما ہجرت نمود
ہماری قومیت کا عقدہ آپؐ نے اسطرح حل کیا کہ وہ — اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے

صورت ماہی بہ بحر آزاد شو — یعنی از قید مقام آزاد شو
مچھلی کی طرح سمندر میں آزاد رہو — یعنی کسی مقام کی پابندی قبول نہ کرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام نے زندگی کے بارے میں جو ہدایتیں دی ہیں، ان سب میں مساوات عامہ اور عالمگیر بھائی چارہ کی اسپرٹ کارفرما ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی انسان کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو اس نے ایک انسان کی گردن پر چھری نہیں چلائی بلکہ پوری انسانیت کو زندگی سے محروم کر دیا۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا [1]

جس نے کسی کو قتل یا زمین میں فساد برپا کرنے کے بغیر قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور اگر اس نے اس کو زندہ کر لینے کی کوشش کی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔

[اسی ط]رح اسلام معیشت، معاشرت، سیاست، اخلاق، عقائد، عبادات میں [جو] ہدایتیں دیتا ہے ان میں سے کسی میں بھی آپ کو کسی خاص قوم، ملک یا طبقہ کی عصبیت نظر نہیں آئے گی۔

مثال کے لیے آپ اسلامی اخلاق کو لیجیے۔

اسلامی اخلاق کی ہمہ گیری

اسلامی اخلاق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے، جس کا تعلق کسی خاص وقت، خاص موقع و محل یا خاص قوم سے ہو، بلکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے، وہ ایک شعبہ کا نہیں، پوری زندگی کا داخلی نگران اور خارجی معیار ہے، وہ جس طرح ایک انسان کو گھر، خاندان اور کنبہ کے اندر خوش اخلاق دیکھنا چاہتا ہے، اسی طرح میدان

---

[1] المائدہ: ۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاست میں بھی دیکھنا چاہتا ہے، وہ جس طرح اسے قومی وملکی معاملات میں خوش معاملہ بنانا چاہتا ہے، اسی طرح بین الاقوامی معاملات میں بھی، غرض یہ کہ وہ نہ تو کاروباری اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اور نہ قومی وملکی اخلاق کی، بلکہ ایک ہمہ گیر اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور پھر اخلاق و معاملات میں اسلام ہر انسان کا ماننے والا ہو یا نہ ماننے والا ہو ایک نظر سے دیکھتا ہے،

اسلامی نظامِ اخلاق کی ہمہ گیری کا اندازہ کرنے کے لیے آپ اس کی اخلاقی ہدایات کے چند عنوانات پر ایک نظر ڈال لیں، رحم و کرم، عفو و درگزر، غریبوں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیکی امانت داری برتنا، وعدہ کا ایفاء کرنا، عہد کا پورا کرنا، لوگوں میں محبت پیدا کرنا، حق اور انصاف پسندی سے کام لینا، سچی گواہی دینا، نرمی سے بات کرنا، زمین پر اکڑ کر نہ چلنا، صلح پسندی، انسانی برادری کے ساتھ نیک سلوک، جانوروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ اور دشمنوں کو معاف کرنا وغیرہ۔

پھر صرف محاسن اخلاق ہی کی تعلیم نہیں دی ہے، بلکہ ان رذائل سے منع بھی کیا ہے جو ان انسانی تعلقات کو بگاڑنے کا سبب بنتے ہیں مثلاً، جھوٹ نہ بولنا، فخر و غرور نہ کرنا، کسی کو برا نہ کہنا، ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرنا، فساد برپا نہ کرنا، دوسروں کی حق تلفی نہ کرنا، بدگمانی نہ کرنا، ریاو نمائش نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، معاملات میں بد دیانتی نہ کرنا، حرص نہ کرنا وغیرہ۔

سینکڑوں اخلاقی تعلیمات میں سے ان چند اخلاقی محاسن و رذائل کا ذکر کر دیا گیا ہے، اسی سے اندازہ کیجیے کہ اسلام اخلاق کے ذریعہ انسان میں کتنی ہمہ گیری پیدا کرنا چاہتا ہے، اور اس کے داخل و خارج کو کتنا سنوارتا ہے۔ اور دوسرے کو برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ سیاسی دنیا میں آئے دن ایسے واقعات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آتے رہتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ افراد یا ایک ملک کے ذمہ دار اپنے سیاسی مفاد کے لیے بڑے بڑے جرم کے ارتکاب سے بھی دریغ نہیں کرتے مگر آگے جو واقعات نقل کئے جائیں گے ان سے اندازہ ہو گا کہ زمانہ امن ہی میں نہیں بلکہ مسلمانوں نے حالت جنگ میں بھی اپنے دشمنوں سے غدارانہ ظلم کو پسند نہیں کیا۔

عدل و انصاف

مثال کے لیے آپ عدل و احسان کو لیجیے، خدا عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ لیکن یہ عدل و احسان کسی خاص فرد یا کسی خاص قوم اور ملک کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ انسان کے ہر طبقہ اور گروہ کے لیے وسیع ہے اس کا فیضان دوست دشمن ہر ایک کے لیے یکساں ہے، حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی عدل و احسان کا حکم دیا گیا ہے، یہ صرف اخلاقی اپیل نہیں ہے، بلکہ قانون کی ایک دفعہ بھی ہے، اگر کوئی شخص عدل و انصاف اور احسان اور بھلائی کی حد توڑتا ہے تو اسلامی قانون اس کا ہاتھ پکڑے گا، حتیٰ کہ جو لوگ اسلام کو دنیا سے مٹا دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ان کے بارے میں بھی مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1]

تمہیں کسی قوم کی دشمنی عدل و انصاف سے انحراف پر نہ ابھارے ہر حال میں عدل و انصاف سے کام لو یہی چیز پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے۔

اسلام نے رحم و کرم کی تعلیم دی ہے، اس کی ہمہ گیری پر غور کیجیے، آپ کو کہیں

---

[1] المائدہ: ۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی یہ نظر نہیں آئے گا، کہ اس نے یہ جذبہ کسی خاص فرد یا کسی خاص نسل کے لیے مخصوص بنا کر رکھا ہو، بلکہ اس کا فیضان نہ صرف یہ کہ انسان و حیوان بلکہ ہر ذی حیات کے لیے عام ہے، ایک مسلمان کو دن میں نہ جانے کتنی بار بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للّٰہ رب العلمین، الرحمٰن الرحیم کے ورد کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ یہ جذبہ ہر وقت تازہ رہے، پھر یہی نہیں بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ مخلوق کے اوپر رحم کے نتیجہ میں تم خالق کے رحم و کرم کے مستحق ٹھہرو گے۔

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ [۱]

جو لوگ زمین میں رہتے بستے ہیں ان پر تم رحم کرو، خدا تم پر رحم کرے گا۔

ایک بار حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے کسی قبطی غلام کو مار رہے تھے کہ حضرت عمرؓ کا گذر ہوا، آپ نے دیکھا تو بے چین ہو گئے۔ اور فرمایا

مَتٰی اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ قَدْ وَلَدَتْھُمْ اُمَّھَاتُھُمْ اَحْرَارًا [۲]

تم نے ان کو کب غلام بنا لیا ہے حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوتے ہیں۔

پھر آپ نے صرف اخلاقی ہدایت دے کر خاموشی نہیں اختیار کر لی، بلکہ بھرے مجمع میں ابن عاص کے صاحبزادے کو اسی قبطی سے پٹوایا۔

غور کیجیے، معاملہ ایک فرد کے ساتھ بے رحمی اور بے انصافی کا تھا، مگر آپ نے اس موقع پر جو ہدایت دی، وہ ایک فرد اور ایک گروہ کے لیے نہیں دی، بلکہ

---

[۱] مشکوٰۃ۔

[۲] طبری ج ۳ ص ۲۲۵ بحوالہ نظام الحکم فی الشرع والتاریخ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ فرمایا کہ تم میں انسانوں کے خدا بننے کی خواہش کب سے پیدا ہو گئی ہے جبکہ تم کو اس کے خلاف تعلیم دی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ عام انسانوں کے ساتھ بے رحمی اور بے انصافی اسلام میں محض اخلاقی ہی نہیں بلکہ قانونی جرم بھی ہے۔

ایفائے عہد

پھر ایفائے عہد کو لیجیئے، جس طرح وہ ایک فرد سے عہد کے پورا کرنے کا حکم دیتا ہے، اسی طرح وہ ایک قوم سے حتیٰ کہ اپنے دشمنوں سے بھی عہد کے پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا وہ حکم دیتا ہے کہ جس طرح تم اپنے بھائی سے سچ بولو، اسی طرح اجنبیوں سے بھی بولو جس طرح ایک ملکی تاجر سے سچائی کا معاملہ کرو، ایک غیر ملکی تاجر سے بھی سچائی اور دیانت داری برتو وہ کہتا ہے قولوا للناس حسنا یعنی ہر شخص سے خواہ اپنا ہو یا غیر، اچھی بات کرو۔

پھر اسلام کے اخلاق کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو حکم دیتا ہے، کہ یہ سب کچھ کسی غرض و مصلحت یا مادی منفعت اور دکھاوے کے لیے نہ کیا جائے، بلکہ اس میں جس قدر بے غرضی اور خدا کی خوشنودی کا جذبہ ہوگا، اسی قدر اخلاقی صفات کی قدر ہوگی اور پھر اس قدر دانی کی توقع کسی انسان سے نہیں، بلکہ اپنے خالق سے کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ یہ محض ایک درخواست اور اپیل نہیں ہے، اور نہ محض کوئی نظری و فلسفیانہ بات ہے بلکہ جب بھی صحیح خطوط پر اسلامی حکومت قائم ہوگی وہ قانوناً ہی ان کا پاس کرے گی اور اگر وہ پاس نہیں کرتی ہے، تو وہ صحیح اسلامی حکومت نہیں ہے، آگے چل کر ہم اس کی کچھ مثالیں دیں گے جن پر آپ دوسرے محاسن اخلاق اور رذائل کو قیاس کر سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانی حقوق کی ہمہ گیری اور انسانیّت کا احترام

جس طرح اسلام نے ایک ہمہ گیر اخلاقی نظام دیا ہے، اسی طرح اس نے ہر ہر صنف اور ہر ہر طبقہ کے حقوق بھی مقرر کر دیئے ہیں تاکہ انسانی بھائی چارہ اور مساوات میں رخنہ نہ پڑے، اسلام نے انسان کو جو حقوق دیئے ہیں ان کی فہرست بڑی لمبی ہے، اس میں قریب سے قریب اور دور سے دور ہر شخص کے حقوق اور اس کے حدود مقرر کر دیئے گئے ہیں حتّٰی کہ جانوروں اور جانی دشمنوں کے حقوق بھی مقرر ہیں، اگر آپ حقوق کی فہرست پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حقوق کی ادائیگی میں اسلام نے قومی وطنی اور طبقاتی عصبیّت کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے، اگر کہیں اس نے کسی حق میں کمی کی ہے، تو اسی اعتبار سے فرائض میں بھی کمی کر دی ہے، انسانی حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں وہ مسلمانوں کے لیے جو معیار مقرر کرتا ہے وہ یہ ہے :

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ [1]

آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک انسانوں کے لیے وہی کچھ نہ پسند کرلے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ انسان کے دل میں نہ ہو، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

فکر و خیال کی آزادی

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کو فکر و خیال کی آزادی ہو اس کو اپنے عقیدے اور قول و فعل کی

---

[1] مسند : ج ۳ : ۲۷۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آزادی ہو، اس کی جان، اس کی عزت و آبرو اور اس کا مال محفوظ ہو۔ اس نقطۂ نظر سے آپ اسلامی نظام پر نظر ڈالیں گے، تو ان حقوق ادا کرنے میں اسلام کا سینہ دنیا کے دوسرے مادی و مذہبی نظاموں سے زیادہ کشادہ نظر آئے گا، اگر آپ ایک طرف یونائیٹڈ نیشنز (U-N-O) کا منشور پڑھیں اور پھر حجۃ الوداع کا آپ کا وہ خطبہ پڑھیں جو آپ نے جزیرۃ العرب کے سوا لاکھ سے زیادہ بڑے مجمع کے سامنے دیا تھا، اور پھر تاریخی واقعات کی روشنی میں دونوں کا جائزہ لیں تو آپ کو ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا ہم آپ کے خطبہ کے چند جملے نقل کرتے ہیں حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا اے لوگو! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی اور اسی کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہوں، اے لوگو تمہارا خون اور تمہارا مال آپس میں اسی طرح محترم ہیں جس طرح آج کا دن محترم ہے اور یہ شہر مکہ محترم ہے، عنقریب تم اللہ کے حضور حاضر ہو گے وہ تم سے تمہارے ان اعمال کے بارے میں جس کا میں نے حکم دیا ہے، پوچھے گا تو جس کے پاس کوئی امانت ہے وہ امانت کو اہلِ امانت تک پہنچا دے۔ اس کے بعد آپ نے عورتوں کے ساتھ سلوک کی ہدایت کی، فرمایا کہ ان کو بھلے طریقہ پر کھانا کپڑا دو اور یہ تمہارے قبضہ میں دی گئی ہیں وہ تمہارے ہاتھوں میں اللہ کی امانت ہیں ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک رکھنا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ آدم بھی ایک ہیں تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے تم میں معزز وہ ہے جو پاکباز ہو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر مگر پاکبازی اور تقوے کی وجہ سے" پھر آپ نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کیا میں نے خدا کا پیغام تم تک نہیں پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔ مجمع نے کہا کہ ہاں آپ نے پہنچا دیا[1]

---

[1] ابن ہشام طبرانی، ابن اثیر حجۃ الوداع۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقیدے کی آزادی

ہر انسان کو چونکہ خدا نے عقل و تمیز دی ہے، پھر اس نے وحی کے ذریعہ اس کو صحیح زاویۂ نظر اختیار کرنے کی طرف راہنمائی بھی کر دی ہے، اس لیے ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ صراط مستقیم پر چلتا رہے یا غلط عقیدہ قائم کر کے چھوٹی چھوٹی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا پھرے بہرحال اس دنیا میں اسے کوئی نظریہ یا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔

دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

قرآن پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ہر مسلمان کو تنبیہ کرتا ہے کہ:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ[1]

اگر اللہ چاہے تو زمین کے تمام رہنے والے مومن ہو جائیں، تو کیا تم لوگوں کو مومن بنانے میں جبر و اکراہ کرنا چاہتے ہو۔

اسلام نے محض حریتِ عقیدہ کا نظریہ نہیں پیش کیا، بلکہ عملی اور قانونی طور پر اس کی حفاظت بھی کی ہے، اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں ایک یہ کہ اس سلسلہ میں کسی پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا جیسا کہ پہلی اور دوسری آیت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے دوسرے یہ کہ اگر کسی کو اپنے کسی عقیدے کی طرف دعوت دینی یا کسی کے عقیدے پر تنقید کرنی ہے، تو عمدہ پیرایہ میں نرمی کے ساتھ کرنی چاہیے۔

---

[1] یونس: ۹۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ[1]

اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے پیرایۂ نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث و مباحثہ اور اختلاف بھی کرو تو اچھے طریقے سے۔

حضرت ریحانہؓ بنو قریظہ کی جنگ میں گرفتار ہوئیں اور آپ کے ملک میں آئیں۔ جس وقت گرفتار ہوئیں اس وقت اسلام سے ان کو نفرت سی تھی مگر ان کو آپؐ نے اسلام پر مجبور نہیں کیا، بعد میں خود اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ ابن ہشام اور طبری کے الفاظ یہ ہیں:

وقد کانت حین سباھا قد تعصبت بالاسلام وما زالت الیھودیۃ فلم یکرھھا حتی اسلمت من تلقاء نفسھا[2]

جس وقت وہ گرفتار ہوئیں ان کو اسلام سے بڑی نفرت تھی اور یہودیت ہی پر ان کا عمل تھا مگر آپ نے انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ یہاں تک خود اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لیا۔

اہل نجران کے عیسائیوں کو مذہبی آزادی اور جان و مال کی حفاظت کی جو تحریر آپ نے دی تھی اس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے ان کو مسجد نبوی میں عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے فرمایا۔

دعوھم فصلوا الی المشرق[3]

---

[1] نظام الحکم فی الشرع والتاریخ۔

[2] ابن ہشام ۱۴:۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جبکہ مسلمان دکھن رخ، کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

انسان کو اللہ نے چونکہ عقل و فہم دی ہے اس لیے وہ کہتا ہے کہ انسان کو اندھا بہرا ہو کر کسی چیز کو قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ خدا پر ایمان و یقین یعنی توحید اسلام کا سب سے بنیادی ستون ہے۔ مگر اس توحید کے ماننے میں بھی قرآن پاک انسان کو غور کی دعوت دیتا ہے اور اس کی عقل کو جامد اور محض ماحول کا پابند کرنے کے بجائے وہ اسے وسیع و عریض دنیا اور پوری کائنات کی وسعت پر غور کرنے پر ابھارتا ہے اس لیے کہ جب انسان کائنات کی تخلیق اور اس کے پورے نظام پر غور کرے گا تو اس کی عقل و فہم خود اُسے ماننے پر مجبور کرے گی اور وہ خود بخود بے اختیار پکار اٹھے گا کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق و مالک ہے۔ قرآن کی سینکڑوں آیتوں میں اس غور و فکر پر ابھارا گیا ہے دو ایک آیتیں ملاحظہ ہوں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ [1]

کون سی ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو بنایا اور آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کے ذریعہ خوشنما باغ اگائے جو تمہارے لیے ممکن نہیں تھا کہ تم اس کے درختوں کو اگا سکو کیا اس کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے؟ بلکہ یہ ایسے لوگ اسے خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں کیا وہی ذات نہیں جس نے زمین کو جائے قیام بنایا اور اس کے بیچ بیچ میں نہریں (دریا ندی) بنائیں اور اس کے ٹھہراؤ کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی کیا اس کے علاوہ بھی اور کوئی معبود ہے۔ بلکہ اکثر ان میں سمجھتے نہیں ہیں کون ذات ہے پریشان حال جب دعا کرتا ہے تو اس کی دعا سنتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور وہی ہے جو تم کو یکے بعد دیگرے زمین کا مالک بناتا ہے کیا اس کے علاوہ کوئی مالک ہے بہت کم تم لوگ نصیحت، حاصل کرتے ہو کون ہے جو تمہاری خشکی اور سمندر میں رہنمائی کرتا ہے اور کون ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے بشارت بنا کر بھیجتا ہے کیا اس کے علاوہ کوئی قدرت رکھنے والا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے شرک سے بلند ہے۔

دوسری جگہ ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ [2]

---

[1] النمل: ۶۰ تا ۶۳۔

[2] آل عمران: ۱۹۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن رات کے الٹ پھیر میں عقل والوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔"

اس کے مقابلہ میں جو لوگ اپنی عقل کو محض آباء و اجداد کی اندھی تقلید کا پابند بنا لیتے ہیں، قرآن ان کے طرزِ عمل کو غلط قرار دیتا ہے اور ان پر سخت تنقید کرتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ [1]

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کا اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں ہم نے تو جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس کے پیچھے چلیں گے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے آباء و اجداد نے عقل سے کام نہ لیا ہو۔

غرض دین کے ہر حکم کے ماننے یہاں تک کہ توحید کے سلسلہ میں بھی قرآن پاک نے آزادانہ غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ وہ اس کے نہ ماننے والوں کو دین کے ماننے پر کیسے مجبور کر سکتا ہے۔ چنانچہ پوری اسلامی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ کبھی بالجبر اسلام کی دعوت نہیں دی گئی اور غیر مسلموں کو ہمیشہ مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر یہود سے آپؐ نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ان کی آزادی کا صاف صاف ذکر تھا۔ اس میں یہود سے متعلق پہلا جملہ یہ ہے۔

"یہود کو ہر طرح کی مذہبی آزادی ہوگی۔ مذہبی امور سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے گا۔ مسلمان اپنے دین پر اور یہود اپنے دین پر رہیں گے" (دفعہ ۲۵)

---

[1] البقرہ: ۱۷۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن وسنّت کی انہی تعلیمات کے تحت فقہاء نے یہ قاعدہ بنایا ہے۔

امرنا بترکھم ومایدینون [1] (العلاقات الدولیہ)

ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ جو جس کا مذہب ہے اس سے ہم کوئی تعارض نہیں کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ایلیاء (فلسطین) کے یہود سے معاہدۂ صلح کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے ان کے ہیکل یعنی عبادت گاہ کو دیکھا کہ اس پر ہر طرف گرد دائی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنے رومال سے جھاڑنا شروع کیا یہ دیکھ کر تمام مسلمان لگ گئے اور آن کی آن میں گرد جھڑ گئی اور وہ بالکل صاف ہو گیا۔ اسی سفر میں نماز کا وقت ہو گیا آپ نے ہیکل سے باہر نکل کر نماز پڑھی لوگوں نے پوچھا کہ کیا ہیکل میں نماز جائز نہیں تھی۔ انہوں نے اسلامی روح کے پیش نظر یہ حکیمانہ جواب دیا

خشیت ان اصلی فیھا فیزیلھا المسلمون من بعدی و یتخذونھا مسجدا [2]

میں ڈرا کہ اگر میں اس میں نماز پڑھوں گا تو میرے بعد آئندہ مسلمان ہیکل کو گرا کر اس کی جگہ مسجد نہ بنالیں۔

جس طرح ہر شخص کو عقیدے کی آزادی ہے، اسی طرح وہ اپنے تمام مراسم عبادت میں بھی آزاد ہے۔ جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوا ہوگا۔

فکری آزادی اسلام نے ہر شخص کو نہ صرف یہ کہ فکری آزادی دی ہے۔ بلکہ اس پر ابھارا ہے، وہ انسان کا حاسۂ فکر بیدار کرتا اور ہر چیز کو غور فکر کی میزان میں تولنے کی

---

[1] العلاقات الدولیہ۔

[2] العلاقات الدولیہ۔ البدایہ والنہایہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت دیتا ہے۔ وہ آفاق و انفس میں بار بار نظر ڈالنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے کی ترغیب دیتا ہے وہ اوہام و خرافات اور بے سوچے سمجھے کسی چیز کو مان لینے پر مجبور نہیں کرتا حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقائد توحید و آخرت جن کو اصول مسلمہ کی طرح مان لینا چاہیئے ان کے لیے بھی عقلی دلائل فراہم کرتا ہے وہ اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنی فکر سے کام لے کر کائنات کی جس چیز کو چاہے، اپنے قبضۂ قدرت میں لائے، وہ عناصر پر حکمرانی کے منصوبے بنائے، یا سیاروں پر آباد ہونے کا پروگرام طے کرلے اسلام کوئی پابندی عائد نہیں کرتا، البتہ اس فکری آزادی کو اخلاقی ذمہ داری کا پابند کرتا ہے، اخلاقی ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ فکری آزادی سے وہ کام لیا جائے جو دوسروں کے لیے مفید ہو، اس میں کسی پر ظلم، کسی کی حق تلفی، اور کسی قوم کی برتری کا جذبہ کارفرما نہ ہو، چنانچہ جہاں اس نے یہ کہا ہے کہ ہم نے انسان کے لیے کائنات کی ہر چیز کو مسخر کر دیا ہے، وہاں لکم کی قید لگی ہوئی ہے، یعنی یہ تسخیر فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کے لیے ہو، اس سے دوسروں کا نقصان مقصود نہ ہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے

خیر الناس من ینفع الناس۔

بہترین شخص وہ ہے جو دوسروں کے لیے مفید ہو،

قول و رائے کی آزادی

آزادی رائے کے سلسلہ میں موجودہ علمائے قانون دو طرح کا خیال ظاہر کرتے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ بغیر کسی قید کے حریت قول اور حریت رائے کی اجازت ہونی چاہیئے، وہ اس وقت کچھ پابندی عائد کرنے کے لیے کہتا ہے، جب آزادی رائے عام نظم پر اثر انداز ہوتی ہو، دوسرا گروہ آزادی رائے کو اس حد تک مقید و محدود کرتا ہے، کہ برسر اقتدار طبقہ یا اسٹیٹ کے خلاف کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔

پہلا گروہ چونکہ اخلاقیات کا قائل نہیں ہے، اس لئے اس کی بے اخلاق آزادی رائے بغض حسد، ظلم و ستم، بے راہ روی، سازش، پارٹی بازی جیسے جذبات کے ابھارنے کا سبب بن جاتی ہے، جو لامحالہ امن عامہ اور نظم و نظام میں خلل ڈالنے کا سبب ہوگی، دوسرے گروہ کی رائے کو مان لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے، تو انسان کی فطری صلاحیت ٹھٹھر کر رہ جائے گی، یا پھر اس کا نتیجہ تشدد اور بدنامی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

اسلام آزادیِ رائے کا سب سے زیادہ حامی ہے، حتیٰ کہ اگر وقت کا اقتدار فرد بھی کوئی غلط بات کرتا یا کہتا ہے تو ہر انسان کو یہ حق ہے کہ اس کو ٹوک دے، اور اس کو قائل و معقول کر کے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرے، بلکہ وہ کسی ظالم کو ظلم سے روک دینے کو ایک بڑی عبادت قرار دیتا ہے وہ ہر شخص کو اپنے عقیدے کے مطابق تبلیغ، اشاعت اور پروپیگنڈے کی اجازت دیتا ہے، خواہ تقریر کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ لیکن چونکہ اسلام ایک با اخلاق نظام حیات ہے، اس لیے اس سلسلہ میں وہ کچھ اخلاقی و قانونی پابندیاں بھی عائد کرتا ہے، مگر وہ محض عام انسانوں کی عزت و آبرو، ان کے عقیدہ و مسلک، ان کی جان و مال کی حفاظت کے لیے لگاتا ہے وہ کہتا ہے کہ تقریر یا تحریر کے ذریعہ کسی کی عزت نہ اتاری جائے، کسی پر تہمت نہ لگائی جائے، بے اعتمادی نہ پھیلائی جائے، کسی گروہ کسی خاندان یا کسی کے پیشواؤں کو برا بھلا نہ کہا جائے، اپنے عقیدہ و مسلک کی طرف دانائی اور خیر خواہی کے ساتھ بلایا جائے، قرآن کی ہدایت ملاحظہ ہو۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ [1]

اور گالی مت دو ان کے بتوں کو جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [2]

اور اللہ کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھے انداز میں بلاؤ۔

---

[1] الانعام: ۱۰۹۔

[2] النحل: ۱۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحفظ جان و مال اسلام ہر انسان کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے، تحفظ جان کے سلسلہ میں قرآن کی آیت اوپر گذر چکی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ جس شخص نے قصاص یا فساد کے علاوہ کسی دوسری صورت میں کسی کو قتل کیا، تو وہ پوری انسانیت کا قاتل ہے اور جس نے ایک انسان کی جان کو بچا لیا، اس نے پوری انسانیت کو زندگی بخشی۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

(جو کسی متنفس کو قتل کرے بغیر اس کے کہ مقتول نے کسی کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد پھیلایا ہو تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر دیا، اور جس نے کسی متنفس کو زندگی بخشی (قتل سے بچا لیا) تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخش دی،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں جو اعلان فرمایا تھا اس میں بھی جان و مال کی حفاظت کا کھلا اور واضح اعلان تھا۔

ان دماءکم و اموالکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا۔

آپ نے ایک مومن کی یہ پہچان بتائی ہے۔

المومن من امنہ الناس علی دمائھم و اموالھم۔

مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے مال اور جان کے بارے میں مامون اور بے خوف ہوں۔

عزت و ناموس کی حفاظت اسلام ہر انسان کی عزت و آبرو کو برابر سمجھتا ہے، اور یہ ہم ذکر کر آئے ہیں، کہ اسلام اخلاقی برتاؤ اور انسانی حقوق میں کسی فرد، کسی طبقہ یا کسی گروہ کی جانب داری نہیں کرتا، آپ نے حجۃ الوداع میں جان و مال کے ساتھ عزت و آبرو کی حفاظت پر بھی خاص طور پر زور دیا تھا واعراضکم حرام علیکم چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام علماء متفقہ طور پر غیر مسلموں کے بارے میں لکھتے ہیں،

مسلمان کی طرح غیر مسلم کو تکلیف سے بچانا واجب اور اس کی غیبت کرنا حرام ہے۔

میں نے جو کچھ عرض کیا، وہ محض نظریہ نہیں ہے، بلکہ جب اسلام اپنی پوری اسپرٹ کے ساتھ دنیا میں عملاً با اقتدار رہا ہے، تو اس نے یہ حقوق انسانوں کو دیئے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اسوہ ہم یہاں، نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا، کہ اسلام اقتدار میں آنے کے بعد بھی انسان کی ان فطری آزادیوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتا بلکہ حفاظت کرتا ہے۔

جزیرۃ العرب میں عیسائیوں کے مختلف مراکز تھے، جن میں سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ جب پورا جزیرۃ العرب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا تو نجران اور دوسرے علاقے کے عیسائیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاہدہ صلح کے لیے اپنا وفد بھیجا، اس وقت مسلمان اس پوزیشن میں تھے کہ وہ چاہتے تو چند دنوں میں ان مقامات کو زیر نگیں کر لیتے لیکن آپ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، اور ان کو اپنے مذہب و مسلک پر رہنے کی پوری آزادی دے کر ان سے صلح کر لی، آپ کا یہ صلح نامہ تاریخ کی کتابوں میں آج بھی درج ہے، ہم صرف اہل نجران کے معاہدہ صلح کے چند ٹکڑے یہاں نقل کرتے ہیں۔

لنجران ذمة الله وذمة محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یفتنون عن دینهم و لنجران وحاشیتها جوار الله و ذمة محمد النبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم علی انفسهم وملتهم وارضهم واموالهم وشاهدهم وغائبهم وبعثهم ومثلهم لا یغیر ما کانوا علیه ولا یغیر حق من حقوقهم لا یفتن اسقف عن اسقفیة ولا راهب عن رهبانیة ولا یؤخذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منهم رجل بظلم آخر ؎

"نجران کے عیسائیوں کے لیے خدا اور اس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو ان کے دین سے زبردستی پھیرنے کی کوشش نہیں کی جائیگی، نجران اور ان کے ہمدردوں اور پاس پڑوس کے لیے خدا کی اور اس کے رسول کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی جان، ان کی ملت، ان کی جائداد، ان کا مال، ان کے موجود اور غیر موجود تمام افراد محفوظ رہیں گے ان کے کاروان تجارت، ان کی مہم اور انکے مثل جو چیزیں ہوں سب مامون ہونگی، جس حیثیت میں وہ ہیں وہ حیثیت باقی رہے گی ان کے راہنما اپنے دین پر آزادی کے ساتھ رہیں گے ان کو اس سے پھیرا نہیں جائے گا اور ان میں سے کسی شخص کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے دوسرا شخص نہیں پکڑا جائے گا۔" ؎

اس صلح نامہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں، کہ اسلام نے جو بین الاقوامی اصول و تصورات دیئے ہیں وہ فلسفیانہ یا نرے آفاقی تخیلات نہیں ہیں بلکہ وہ عملی جذبات پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں، جن پر سب سے پہلے خود اسلام کے قبول کرنے والوں نے عمل کرنے کی کوشش کی ہے،

ان حقوق سے صرف چند صورتوں میں کوئی انسان محروم ہو سکتا ہے،

(۱) جاسوسی کے سلسلہ میں (۲) اسلامی حکومت کی اطاعت سے بالکلیہ انکار (۳) یا سودی کاروبار کرنے کی صورت میں۔

فکری آزادی کی تاریخ

موجودہ دور میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ انسان کو مذہبی، سیاسی اور انفرادی آزادی سب سے پہلے امریکہ کے دستور نے دی یا پھر اس کا سہرا فرانس اور برطانیہ کے سر باندھا جاتا ہے مگر اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلام نے آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے انسان کو فکر و عقیدے کی آزادی اس وقت بخشی جب دنیا میں بادشاہی نظام کو خدائی تقدس حاصل تھا جس میں کچھ لوگ دائمی طور پر آقا کچھ محکوم اور کچھ مستقل طور پر غلام تھے

؎ فتوح البلدان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوپر قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی نقل کی گئی ہیں ان کی روشنی میں فقہا نے ہر انسان کے لیے پانچ بنیادی حقوق مقرر کر دئیے ہیں جن کا لحاظ اس وقت تک کرنا ضروری ہے جب تک وہ خود کسی حق تلفی کا مرتکب نہ ہو اس کے ان پانچوں بنیادی حقوق کی رعایت انفرادی زندگی سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک کرنی ضروری ہے انسان کو ان سے نہ تو انفرادی زندگی میں محروم کیا جا سکتا ہے اور نہ ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں انھیں چھینا جا سکتا ہے وہ بنیادی ضرورتیں یہ ہیں۔ "مجموع الضروریات خمسۃ حفظ الدین والنفس والنسل والمال والعقل"[۱] اس کے دین و مذہب کی حفاظت، اس کی جان اس کی نسل، اس کے مال کی حفاظت اور اس کی عقل وفکر کی حفاظت۔ ضروریات کی تفصیل رتے ہوئے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر ان کی رعایت نہیں کی جائے گی تو اس کی وجہ سے انسان کی رادی زندگی میں بھی فساد و بگاڑ پیدا ہوگا اور ملکی بین الاقوامی معاملات میں بھی کشیدگی پیدا ہوگی اس اصول ئے تحت ایسے تمام طریقے اختیار کرنے سے روکا جائے گا جس سے انسان کے دین مذہب، اس کی جان و مال، اس کی نسل، اس کی عقل کو نقصان پہونچتا ہو یا اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو ایسی تمام صنعتیں اور آرمز فیکٹریاں ممنوع قرار دی جائینگی جس سے نسل انسانی کی بقا کو خطرہ لاحق ہو، ایسے تمام کاموں پر پابندی ہوگی جس سے انسان کی یہ بنیادی ضرورتیں متاثر ہوتی ہوں۔

---

[۱] موافقات، شاطبی

© rasailojaraid.com